ہو گئے۔ انھوں نے حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر قریشِ مکہ کے ظلم وستم کو دیکھا تو آپؐ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپؐ ہجرت کر کے میرے ساتھ یمن چلیں۔ ہم آپؐ کا بھرپور دفاع کریں گے۔'' ۲۳؎ یہی پیش کش بنو ہمدان کے ایک اور جاں نثار صحابی حضرت قیس بن مالکؓ نے بھی کی۔ مگر آپؐ نے ان دونوں کی محبت بھری دعوت کو بعض وجوہ سے قبول نہیں فرمایا۔

حواشی و مراجع

۱؎ الافغانی، محمد سعید، اسواق العرب فی الجاھلیۃ والاسلام، مکتبۃ الہاشمیہ، دمشق، ۱۳۵۶ھ، ص: ۱۵۔۱۶

۲؎ ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ، ج:۱،ص: ۱۱۰

۳؎ ابن الاثیر کے مطابق قیس بن مکشوح مرادی قبیلۂ مراد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، لیکن یہ بات طے ہے کہ اسود عنسی (جس نے آں حضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) کے قتل میں انھوں نے بھی مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ ان کے پہلو میں کسی موقع پر چوٹ لگ گئی تھی، جس کی وجہ سے 'مشکوح' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی تمییز الصحابہ، دار صادر،، بیروت، ۱۹۶۸ئ، ج:۶،ص: ۲۵۲

۴؎ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف، قاہرہ، ۱۹۷۸ئ، ج: ۲،ص :۳۱۱

۵؎ مسند احمد بن حنبل، المکتب الاسلامی، بیروت، ج:۳،ص: ۴۹۳

۶؎ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر،، بیروت، ج:۱،ص:۲۱۶

۷؎ اس وقت تک ابوسفیان اسلام نہیں لائے تھے اور حالتِ کفر پر قائم تھے۔ اسی لیے حضور ﷺ کی نبوت کے متعلق کوئی بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

۸۔ ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر الدمشقی، البدایۃ والنھایۃ، دار المعارف، قاہرہ، ۱۴۱۷ھ، ج: ۲، ص: ۳۴۵

۹۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، دار الکتاب، قاہرۃ، ۱۹۶۳ئ، ص: ۴۲۔۴۱

۱۰۔ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق الحمیری، کتاب المبتدأ والمبعث والمغازی، دار المعارف، رباط، ۱۹۶۷ئ، ص: ۲۱۵

۱۱۔ ابن الاثیر، عزالدین ابو الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار السعادۃ، القاہرۃ، ۱۳۵۷ئ، ج: ۱، ص: ۳۸۱

۱۲۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، ج: ۳، ص: ۱۴۰

۱۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج: ۳، ص: ۱۴۰

۱۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک، حدیث: ۳۵۵

۱۵۔ طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۱۷۸

۱۶۔ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، دار الہلال، قاہرہ، ۱۳۴۸ھ، ص: ۸۳

۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیائ ۔۔۔حدیث: ۱۴۹۶

۱۸۔ مسند احمد، ج: ۵، ص: ۲۴۵

۱۹۔ ابن الاثیر، عزالدین ابو الحسن علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الہلال، قاہرہ، ۱۹۷۸ئ، ج: ۴، ص: ۳۵۷

۲۰۔ حوالہ سابق، ص: ۴۲۱

۲۱۔ الطبقات الکبری، ج: ۱، ص: ۳۴۰

۲۲۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویہ، صفحہ ۷۳۹

۲۳۔ حاکم، محمد بن ابوعبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، احیاء التراث الاسلامی، قاہرہ، ۱۹۸۰ئ، ج: ۴، ص: ۱۸۱

☆☆☆

سیر وسوانح

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حاشیۂ صحیح بخاری

ـــــــــــــــ ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

مختصر حالاتِ زندگی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں ضلع سہارن پور کے قصبہ دیوبند کے مغرب میں ایک چھوٹی سی بستی نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، اس کے بعد انھیں صغرسنی ہی میں سہارن پور بھیج دیا گیا، جہاں انھوں نے شیخ نہال احمد نانوتوی اور مولوی نواز سہارن پوری سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء میں تکمیلِ تعلیم کے لیے دہلی گئے، جہاں تمام مروجہ درسی کتابیں حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی، مدرس مدرسۂ دہلی سے پڑھیں۔ مولانا مملوک علی اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ انیسویں صدی کے اکثر وبیش تر مشاہیرِ اہل علم، مثلاً حاجی امداداللہ، مولوی ذکاء اللہ، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا محمد مظہر (بانی مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور)، انہی کے فیض یافتہ ہیں۔

مولانا نانوتویؒ نے (۱۲۶۰–۱۲۶۷ھ) سات سال تک اپنے شفیق استاد (مولانا مملوک علی) کی خدمت میں رہ کر درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ایک مدت تک محدثِ کبیر حضرت شاہ عبدالغنی (تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ محمد اسحق دہلوی) کی خدمت میں رہے اور ان سے سند حدیث حاصل کی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حاجی امداداللہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ شیخ محمد اکرام (مصنف موج کوثر) مولانا محمد قاسم کے متعلق سرسید کا وہ مضمون جو انھوں (سرسید) نے مولانا کی وفات پر تہذیب

الاخلاق میں لکھا تھا، نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زمانۂ تحصیلِ علم میں جیسے کہ وہ (مولانا محمد قاسم نانوتوی) ذہانت اور عالی دماغی اور فہم وفراست میں مصروف ومشہور تھے، ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے۔ ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی صحبت نے اتباعِ سنت پر بہت زیادہ راغب کردیا تھا اور حاجی امداداللہؒ کے فیضِ صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت عالی رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابندِ سنت وشریعت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے، بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا۔ ان ہی کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسۂ دیوبند قائم ہوا۔۔۔۔۔علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی و کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم کیے گئے۔ وہ کچھ خواہش پیر و مرشد بننے کی نہیں کرتے تھے، لیکن ہندوستان میں خصوصاً اضلاعِ شمال ومغرب میں ہزارہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا ومقتدا جانتے تھے۔"[۱]

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد مولانا قاسم نانوتویؒ نے مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے مطبع احمدی دہلی میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ مولانا احمد علی اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے۔ ان کی وسعتِ علم و مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود ہی کتابوں کے حواشی لکھتے تھے اور خود ہی اسے شائع کرتے تھے۔ جامع ترمذی اور مشکوٰۃ المصابیح کے جو حواشی رائج ہیں انہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری کا حاشیہ بھی انہی کا لکھا ہوا ہے۔ ۲۵/ پاروں تک تو انھوں نے خود ہی لکھا اور بقیہ پانچ پاروں کے حواشی لکھنے کا کام مولانا قاسم نانوتوی کے سپرد کیا۔

مولانا نانوتوی کی تعلیم سے فراغت اور حاجی امداد اللہ سے وابستگی کا زمانہ ۱۹/ ویں صدی کا وسط ہے، جب انگریز ہندوستان پر اپنے پنجے پورے طور پر گاڑ چکے

تھے۔ اس وقت سارا ہندوستان حریتِ وطن کے جذبے سے سرشار تھا۔ علماء وصلحاء بھی پیش پیش تھے۔ مولانا نانوتوی نے نہ صرف انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لیا، بلکہ قائدانہ رول ادا کیا۔ ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں باقاعدہ ایک عبوری اسلامی حکومت قائم کی گئی۲۔ جس کے امیر وسربراہ پیر ومرشد حاجی امداد اللہ کو بنا کر ان سے بیعت کی گئی اور مولانا قاسم نانوتوی کو اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ ۳۔ شاملی کے میدان میں انگریزوں سے شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ اسی دوران سقوطِ دہلی کی اطلاع ملی۔ مجبوراً ان مجاہدین کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ جہادِ شاملی کی وجہ سے تھانہ بھون انگریزوں کے عتاب کا نشانہ بنا، ساتھ ہی وہ علماء بھی معتوب ہوئے جو اس جہاد میں شریک تھے۔ حاجی امداد اللہ انگریزی پولیس سے بچتے بچاتے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ مولانا نانوتوی کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ تین دن تک رُو پوش رہے، اس کے بعد پولیس کی گرفت سے بچنے کی غرض سے ایک مقام سے دوسرے مقام پر چھپتے چھپاتے رہے۔ اس طرح تقریباً دوسال گزارے۔ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں انھوں نے یعقوب بن مملوک علی صاحب کے ساتھ حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس سفر میں انھوں نے حفظ قرآن کیا۔ ۴۔ وہاں سے آنے کے بعد بہ سلسلۂ ملازمت ممتاز علی خاں کے مطبع مجتبائیہ میرٹھ میں مقیم ہوئے۔ اسی دوران ۱۳ر مئی ۱۸۶۶ء کو قصبۂ دیوبند میں حاجی عابد حسین نے مسجد چھتہ میں ایک مدرسہ قائم کیا۵۔ جس کے متعلق حاجی عابد حسین اور مولانا قاسم نانوتوی کے درمیان اکثر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ حاجی صاحب نے مولانا سے درخواست کی کہ دیوبند آ کر تعلیم کا آغاز فرمائیں، انھوں نے مصلحتاً خود نہ جا کر مولوی محمود حسن کو بہ حیثیت مدرس تقرر کرکے دیوبند بھیج دیا۶۔ (جو بعد میں اس مدرسہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بنے اور شیخ الہند کہلائے)۔ اس کے بعد مولانا نانوتوی خود دیوبند تشریف لے گئے اور اس مدرسہ کی سرپرستی فرمائی، یہاں تک کہ وہ ہندوستان کا ایک بڑا مدرسہ بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد عیسائیت اور آریہ سماج کے فتنوں کی سرکوبی مولانا نانوتوی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد انگریزوں

نے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے عیسائی پادریوں کی ایک بڑی فوج اتار دی۔ یہ لوگ بہت کم عرصے میں ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ ان حالات میں سب سے اہم تقاضا عیسائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا تھا، چنانچہ مولانا قاسم نانوتوی اوران کے رفقاء نے پادریوں کے حملوں کا دفاع کیا اور اسلام کے تحفظ کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ مختلف مقامات پر عیسائی مبلغین اور پادریوں سے ان کے مناظرے ہوئے۔ ۱۸۷۵ء میں پادری تاراچند سے مباحثہ ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۷۶ء میں قصبہ چاند پور، ضلع شاہجہاں پور میں 'میلۂ خدا شناسی' منعقد ہوا، جس میں تمام مذاہب کے علماء اورعوام موجود تھے۔ ان کے سامنے مولانا نے حقانیتِ اسلام، ابطالِ تثلیث، تردیدِ شرک اور اثباتِ توحید پر محققانہ تقریر فرمائی۔ اسی طرح انھوں نے آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی اور اس کے ہم خیال پنڈتوں سے بھی مناظرہ کیا۔ اس میں پنڈت سرسوتی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے راہ فرار اختیار کی۔ صاحب 'نزہۃ الخواطر' اپنے نپے تلے انداز میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وله مشاهد عظيمة فى المباحثة بالنصارىٰ والآرية، وأشهرها المباحثة التى وقعت ببلدة شاهجهان فور سنة ثلاث و تسعين وأربع وتسعين، فناظر أحبار النصارىٰ والعماء الهنادك غير مرة فغلبهم وأقام الحجة وظهر فضله فى المناظرة''۔ ۷؎
>
> ''عیسائیوں اور آریہ سماج سے بحث و مباحثہ کے سلسلے میں ان سے زبردست معرکے منسوب ہیں۔ ان میں سب سے مشہور وہ معرکہ ہے جو شاہ جہاں پور میں ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء میں پیش آیا تھا۔ انھوں نے عیسائی پادریوں اور ہندو اصحاب علم سے بارہا مناظرے کیے، جن میں انھیں فتح حاصل ہوئی۔ انھوں نے ان مناظروں میں اسلام کی حقانیت ثابت کی اوران کی برتری کا اظہار رہوا۔''

مولانا قاسم نانوتوی نے بہت مختصر زندگی پائی۔ ۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء میں انھوں نے ضیق النفس کی بیماری میں وفات پائی۔ ۸؎ قبرستانِ قاسمی، دیو بند میں مدفون ہوئے۔ ۹؎ دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۶ء میں قائم ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر چونتیس (۳۴) برس تھی۔ جب انتقال ہوا تو ۴۸ یا ۴۹ برس کے تھے۔

علمی سرمایہ

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت اور فرقِ باطلہ کی تردید میں مختلف موضوعات پر قیمتی کتابیں اور رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں اکثر و بیش تر شائع ہوچکی ہیں، مثلاً حجۃ الاسلام، انتصار الاسلام، تحفۂ لحمیہ، جواب ترکی بہ ترکی یا براہین قاسمیہ، قبلہ نما، تقریر دل پذیر، آب حیات، ہدیۃ الشیعہ اور توثیق الکلام وغیرہ۔

مذکورہ بالا کتب و رسائل کے علاوہ مولانا نانوتوی کی دوسری تحریروں کا تعلق 'مکتوبات' سے ہے، جن میں ان سے بعض مسائل دریافت کیے گئے اور انھوں نے ان کا جواب دیا۔ یہ مکتوبات مستقل چھوٹے بڑے مضامین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر دہلی کے ایک بزرگ مولانا جمال الدین علوی نے ان سے وحدۃ الوجود اور سماع موتیٰ کے بارے میں استفسار کیا۔ مولانا نے اس کا تقریباً ۱۵/ صفحات پر مشتمل تفصیلی جواب لکھا۔ بعد میں یہ رسالہ عام لوگوں کے فائدے کے لیے ۱۲۹۵ھ میں سہارن پور سے شائع ہوا اور اس کا نام 'جمالِ قاسمی' رکھا گیا۔

'جمالِ قاسمی' کی طرح کم از کم آٹھ دیگر مجموعے بھی شائع ہوچکے ہیں۔ ان کے نام مکتوبات قاسمیہ، فیوض قاسمیہ، لطائف قاسمیہ، الحق الصریح فی بیان التراویح، تحذیر الناس، اسرار قرآنی اور فرائد قاسمیہ ہیں۔ ان میں زیارت قبور، نذر غیر اللہ، مسئلہ علم غیب، سنت و بدعت، شیعوں کا اسلام، اہل بیت پر رونا، شفاعت اہل بیت، فدک کا مسئلہ، یزید کا کفر و ایمان، نفس کی حقیقت، تعداد رکعات تراویح، قراءت فاتحہ خلف الامام، تصفیۃ القصائد اور ان جیسے دیگر موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مولانا کی مستقل تصانیف کا موضوع ردعیسائیت و ہندو مذہب اور ان کے مقابلے میں اسلام کی حقانیت ہے۔اس کے تحت وجود باری تعالیٰ،توحید، صفات الٰہی، عقیدۂ تثلیث و آواگون واوتار کا رد، انبیاء کی ضرورت، خاتم النبیین کی بعثت کے بعد دوسری تمام شریعتوں کی منسوخی،معراج،معجزات نبوی ، بیت اللہ بہ حیثیت قبلہ، حدوث عالم (قیامت) ،ثبوتِ برزخ وجنت وجہنم، ملائکہ اورشیاطین کا وجود، روح کی حقیقت، تقدیر، جانوروں کی حلّت وحرمت، مردے کو دفن کرنے کے فوائد اور جلانے کے نقصانات جیسے عنوانات پر مدلل بحث کی گئی ہے اوران موضوعات کوعقلی ومنطقی انداز میں ثابت کیا گیا ہے ۔

حاشیۂ صحیح بخاری

ان خدمات جلیلہ کے سوا مولانا قاسم نانوتوی کا اہم کام حواشی صحیح بخاری ہیں، جو انھوں نے آخر کے پانچ پاروں پررقم فرمائے تھے۔۱۰؎ اہل علم جانتے ہیں کہ صحیح بخاری کا آخری حصہ ایک اعتبار سے خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ اس حصہ میں امام بخاریؒ نے قال بعض الناس کہہ کرامام ابوحنیفہؒ کی بعض فقہی آراء پر حدیث کی روشنی میں تنقید کی ہے ،جس کا انداز کہیں کہیں سخت ہوگیا ہے۔اس حصہ پر کسی حنفی المسلک فرد کا حاشیہ لکھنا آسان کام نہیں، بالخصوص نوعمری میں بدون عبقریت کے ممکن نہیں،لیکن مولانا نانوتوی نے اس فریضہ کو بہ حسن و خوبی انجام دیا ہے۔مولانا عبدالحئی حسنی صاحبِ نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

”فبذل جهده فی تصحیح الکتاب وتحشیته وبالغ فی تائید المذهب حتی استوفی حقه“۱۱؎

”انھوں نے بڑی محنت سے صحیح بخاری کی تصحیح وتحشیہ کا کام انجام دیا اور حنفی مسلک کی تائید میں غایت درجہ سعی کی ، یہاں تک کہ اس کا حق ادا کردیا“ ۔

ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

۱۔ صحیح بخاری، (جزء ۲۷) کتاب الحیل، باب فی الزکوٰۃ وان لا یفرّق بین مجتمع ولا یجمع بین متفرق خشیة الصدقة میں امام بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے:
"حدثنا قتیبة قال حدثنا اسمٰعیل ... ان اعرابیا جاء الیٰ رسول الله ﷺ ..." رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پرا گندہ بال اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ کو بتلائیے کہ اللہ نے کون سی نمازیں مجھ پر فرض کی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: پانچ نمازیں۔ ان کے سوا جوتو پڑھے وہ نفل ہوگی۔ پھر اس نے کہا: بتلائیے، اللہ تعالیٰ نے کون سے روزے مجھ پر فرض کیے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: رمضان کے روزے۔ ان کے سوا جوتو روزہ رکھے وہ نفل ہوں گے۔ کہنے لگا: بتلائیے کہ زکوٰۃ اللہ نے مجھ پر کون سی فرض کی ہے؟ راوی (طلحہ) کہتے ہیں: آپؐ نے اس کو شرائع اسلام (زکوٰۃ اور دوسرے مسایلِ شریعت) بتلائے۔ پھر وہ کہنے لگا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو عزت دی، جو کچھ اللہ نے فرض کیا ہے، میں اس میں نہ کچھ بڑھاؤں گا نہ گھٹاؤں گا۔ یہ سن کر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو کام یاب ہو گیا یا (فرمایا) بہشت میں داخل ہوگا۔

روایت نقل کرنے کے بعد امام بخاریؒ اس پر یہ تبصرہ کرتے ہیں:

"قال بعض الناس: فی عشرین ومائة بعیر حقتان، فان أهلکها متعمداً او وهبها او احتال فیها فراراًمن الزکوٰة فلا شئ علیه"۔

(بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقے (تین تین برس کی دو اونٹنیاں، جو چوتھے برس میں لگ چکی ہوں) زکوٰۃ کے لازم آتے ہیں، پھر اگر کسی نے ان اونٹوں کو عمداً تلف (مثلاً ذبح) کر دیا یا ہبہ کر دیا یا زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے کی غرض سے کوئی حیلہ کیا تو اس پر سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔)

اس تبصرہ پر مولانا قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:

"وقال بعض الناس الخ قیل أراد ببعض أبا حنیفة و التشنیع علیه، لأن

مذهب البخاری ان کل حیلة یتحیّل بها أحد فی إسقاط الزکوٰة فاثم ذلک علیه، و ابو حنیفة یقول اذا نوی بتفویة الفرار من الزکوٰة قبل الحول بیوم لم تضره النیة، لان ذلک لا تلزمه الا بتمام الحول ولا یتوجه الیه معنی قوله ﷺ 'خشیة الصدقة' الا حینئذ، وقد قام الاجماع علی جواز التصرف قبل حول الحول کیف شاء وهو قول الشافعی ایضاً، فکیف یرید بقوله بعض الناس أبا حنیفة علی الخصوص، وقیل أراد به أبا یوسف علیہ الرحمۃ فانه قال: فی عشرین ومائة بعیر الخ وقال لاشئ علیه، لانه امتناع عن الوجوب لا إسقاط الواجب۔ وقال محمد یکره لما فیه من القصد الی ابطال حق الفقیر بعد وجوب سببه وهو النصاب"۔

(کہا گیا ہے کہ بعض الناس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں اور یہ تشنیع بھی انہی پر ہے، اس لیے کہ امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جو زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے اختیار کیا جائے، اس کا گناہ حیلہ کرنے والے پر ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی نے سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے کے ارادے سے کوئی حیلہ اختیار کیا تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے واجب نہیں ہوتی اور نہ فرمان نبوی 'خشیة الصدقة' کا اطلاق اس پر ہوگا، مگر اس وقت جب سال پورا ہوجائے۔ کیوں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل مال میں ہر طرح کا تصرف جائز ہے۔ یہی قول امام شافعی کا بھی ہے، تو کیسے 'بعض الناس' سے امام ابوحنیفہ علی الخصوص مراد ہوں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'بعض الناس' سے مراد امام ابو یوسف ہیں، جنھوں نے کہا ہے کہ ایسا کرنا مانعِ وجوب زکوٰۃ تو ہے، لیکن اسقاطِ واجب (زکوٰۃ) نہیں۔ اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ ایسا (حیلہ) کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں ابطالِ حق الفقراء کا قصد کیا گیا ہے، بعد وجوب سبب یعنی نصاب کے۔)

اسی باب میں ایک دوسری حدیث نقل کرنے کے بعد امام بخاری نے یہ تبصرہ کیا ہے: "قال بعض الناس: فی رجل له إبل فخاف ان تجب علیه الصدقة فباعها

بابل مثلها او بغنم او ببقر او بدراهم فراراً من الصدقة بيوم واحتيالاً فلاشئ عليه وهو يقول ان زكىٰ ابله قبل ان يحول الحول بيوم او بسنة جازت عنه"۔ (بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا آدمی جس کے پاس کچھ اونٹ ہوں، اس نے زکوٰۃ دینے کے خوف سے یا اس سے فرار حاصل کرنے کی غرض سے ان اونٹوں کو دوسرے اونٹوں کے بدلے یا بکری، گائے یا درہم کے عوض ایک دن پہلے بیچ دیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ دوسری طرف وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس نے ان اونٹوں کی زکوٰۃ ایک دن یا ایک سال پہلے دے دی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔)

مولانا نانوتوی لکھتے ہیں: **قال بعض الشراح أراد البخاری ببعض الناس أبا حنيفة يريد به التشنيع عليه باثبات التناقض فی ما قاله ببيان ما يريده من التناقض وهو انه نقل أولاً ما قاله ابوحنيفة فی رجل له ابل۔۔۔** الخ **ثم قال وهو يقول ای والحال ان بعض الناس المذكور يقول ان زكّى ابله ۔۔** الخ **يعنی جاز عنده التزكية قبل الحول بيوم فكيف يسقطه فی ذلک اليوم وقال صاحب التلويح بالزام البخاری أبا حنيفة من التناقض فليس بتناقض لا يوجب الزكوٰة الا بتمام الحول ويجعل من قدّمها كمن قدّم دَيْناً مؤجلاً ۔**

(بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس جگہ تناقض ثابت کرنے کی غرض سے امام بخاری نے 'بعض الناس' سے امام ابوحنیفہ کو مراد لیا ہے اور ان پر تشنیع کا قصد کیا ہے، یعنی ایک طرف وہ (امام ابوحنیفہ) یہ کہتے ہیں کہ سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے حیلہ کرکے زکوٰۃ سے بچا جاسکتا ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ سال پورا ہونے سے ایک دن یا ایک سال پہلے زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ ادا ہوجاتی ہے تو ایک دن قبل حیلہ کرنے سے زکوٰۃ کیسے ساقط ہوجائے گی۔ صاحب التلویح نے فرمایا ہے: امام بخاری نے امام ابوحنیفہؒ پر جس تناقض کا الزام لگایا ہے وہ درحقیقت تناقض ہے ہی نہیں۔ اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے واجب نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی قبل از وقت دینا چاہیے تو ایسا کرنا درست ہے، جیسے کہ اگر کسی شخص پر قرض ہو اور وہ

اسے وقت سے پہلے ادا کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے۔)

اسی باب کی تیسری حدیث کے بعد امام بخاری نے لکھا ہے: ''قال بعض الناس اذا بلغت الإبل عشرین ففیها أربع شیاه، فان وهبها قبل الحول او باعها فراراً أو احتیالا لاسقاط الزکوٰة فلا شئ علیه و کذلک إن أتلفها فماتت فلا شئ فی ماله'' (بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس بیس اونٹ ہوں تو اس پر چار بکریاں زکوٰۃ کی واجب ہیں۔ اگر اس نے زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے کے لیے حیلہ کے طور پر سال پورا ہونے سے قبل انھیں ہبہ کر دیا یا بیچ دیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ اسی طرح اگر اس نے ان کو تلف کر دیا یا وہ مر گئیں تب بھی اس پر کچھ نہیں۔)

اس پر مولانا نانوتوی لکھتے ہیں: ''أراد ببعض الناس أباحنیفة والحنفیة کما ذکرنا، والکلام فیه مثل الکلام فی الفرعین المتقدمین وهو ان الحنفیة انما قالوا لا شئ علیه فی هذه الثلٰثة، لانه اذا أزال عن ملکه قبل الحول فمن أین یکون علیه شئ، فلا یرد علیهم ما زعمه البخاری، فحینئذ لا فائدة فی تکرار هذه الفروع وذکرها متفرقة، فان قلت قال الکرمانی انما ذکرها لارادة زیادة التشنیع ولبیان مخالفتهم لثلاثة أحادیث، قلت: التشنیع علی المجتهدین الکبار لایجوز، ولیس فیما ذهبوا الیه مخالفة أحادیث الباب کما تری، وهی بمعزل عما ذهبوا الیه، ومن له إدراک دقیق یقف علی هذا ویظهر له الحق والباطل والصواب من الخطأ''۔

(یہاں 'بعض الناس' سے مراد ابو حنیفہ ہیں اور اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کا مسلک وہی ہے جسے ہم نے اوپر کی دو فروع میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ ایسے شخص پر کچھ بھی (زکوٰۃ) واجب نہیں۔ اس لیے کہ جب سال پورا ہونے سے پہلے وہ مالک (نصاب) نہیں تو سال پورا ہونے پر اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں حنفیہ پر کچھ بھی الزام نہیں۔ یہ محض امام بخاری کا زعم ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں اس کی فروع کا بار

بار ذکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پس اگر تم یہ کہو کہ امام کرمانی نے یہ کہا کہ امام بخاری نے اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہ پر زیادتی تشنیع اور تین حدیثوں کی مخالفت ثابت کرنے کے لیے بار بار اور الگ الگ انواع میں بیان کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ کبار مجتہدین پر اس طرح کی تشنیع درست نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے مسلک سے تین حدیثوں کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ جس شخص کو اس فن میں ادراک اور گہرا علم حاصل ہے اس پر حق و باطل اور صواب و خطا ہر چیز ظاہر ہو جائے گی۔)

کتاب الحیل، باب فی النکاح میں امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے:

''لا تنکح البکر حتی تستأذن ولا الثیب حتی تستامر . . .'' اس کے بعد لکھتے ہیں:

''قال بعض الناس: ان لم تستأذن البکر ولم تزوّج فاحتال رجل فأقام شاهدی زور أنّه تزوّجها برضاها فأثبت القاضی نکاحها والزوج یعلم ان الشهادة باطل فلا بأس ان یطأها وهو تزویج صحیح''۔ (بعض لوگوں نے کہا کہ اگر باکرہ نے اجازت نہیں دی اور زوجیت نہیں قبول کی، مگر ایک آدمی نے حیلہ کیا اور دو جھوٹے گواہ قائم کر دیے اور ثابت کر دیا کہ عورت نے اپنی مرضی سے اس سے نکاح کیا ہے۔ پس قاضی نے اس نکاح کو درست قرار دیا، حالاں کہ شوہر جانتا ہے کہ گواہی جھوٹی ہے، اس کے باوجود مرد کے لیے عورت سے وطی کرنا جائز ہوگا اور یہ نکاح صحیح مانا جائے گا۔)

اس پر مولانا نانوتوی لکھتے ہیں: ''فی فیض الباری: هذا تشنیع عظیم، لکن الجواب هو حدیث علی رضی اللہ عنه وهو ان رجلا ادّعیٰ علی امرأة انها نکحت له نفسها فأنکرت وأقام البینة علی نکاحها فقضٰی علیّ له، فقالت: یا أمیر المومنین! اذا کلّفتنی فزوّجنی فان الشاهدین شاهدا زور فقال علیّ شاهداک زوّجاک، والعجب من البخاری مع رفعة درجته کیف ینکر هذا الحدیث ویطعن علی إمام الائمة سراج الملة أبی حنیفة وأصحابه''۔

(فیض الباری میں ہے کہ امام ابوحنیفہ پر یہ ایک بہت بڑی تشنیع ہے، لیکن اس

کا جواب حدیث علیؓ ہے۔ وہ یہ کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح ہونے کا دعویٰ کیا، لیکن عورت نے اس سے انکار کیا۔ مرد نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دو گواہ پیش کردیے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے مرد کے حق میں فیصلہ کردیا۔ تب اس عورت نے کہا: اے امیرالمومنین! آپ نے جب یہ فیصلہ کرہی دیا ہے تو صحیح طریقے سے میرا نکاح کرادیجیے، اس لیے کہ یہ دونوں گواہ جھوٹے ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: ان دونوں گواہوں نے تجھے اس کی زوجیت میں دے دیا ہے۔ تعجب ہے کہ امام بخاری حدیث میں عظیم مرتبہ رکھنے کے بعد بھی کیسے اس حدیث کا انکار کرتے اور امام الائمہ سراج الملۃ امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب پر طعن کرتے ہیں)۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی ہر جگہ حد ادب قائم رکھتے ہوئے امام بخاری کے اعتراضات وتنقیدات کا علمی انداز میں جواب دیتے ہیں، حالاں کہ دیگر مسالک کی طرح مسلکِ امام بخاری کے خلاف بھی بہت سی مثالیں الزامی طور پر جواب میں پیش کی جاسکتی تھیں، لیکن مولانا نانوتوی ایسا طریقہ اختیار کرنا ایک عظیم محدث کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

آئندہ نقل کی جانے والی مثالوں میں صحیح بخاری کے بعض راویوں پر نقد کیا گیا ہے، لیکن عظیم محدث کا ادب یہاں بھی ملحوظ ہے:

۱– امام بخاری نے کتاب الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین میں ایک حدیث اس سند سے ذکر کی ہے: "**حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا الانصاری قال حدثنا هشام بن حسام قال حدثنا محمد بن سیرین قال حدثنا عبیدة قال حدثنا علی بن ابی طالب . . .** الخ۔

اس سند پر نقد کرتے ہوئے مولانا نانوتوی حاشیہ میں لکھتے ہیں: "**قوله حدثنا الانصاری، یرید محمد بن عبدالله بن المثنی القاضی وهو من شیوخ البخاری ولکنه ربما أخرج عنه بواسطة کالذی ههنا، وقوله هشام بن حسام هذا وان تکلم فیه بعض من قبل حفظه لکن لم یضعفه بذلک أحد مطلقاً بل بقید بعض**

شیوخه، واتفقوا علی انه ثبت فی الشیخ الذی حدّث عنه بحدیث الباب وهو محمد بن سیرین، قال سعید بن عروبة: ما کان أحفظ عن ابن سیرین من هشام بن حسام"۔

(اس سند میں واقع راوی 'انصاری' سے مراد محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ القاضی ہیں، جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان سے بھی کبھی واسطے کے ذریعہ حدیث نقل کرتے ہیں جیسے اس جگہ۔ اس سند کے دوسرے راوی ہشام بن حسام پر بعض ائمہ نے ان کے سوءِ حفظ کی وجہ سے کلام کیا ہے، تاہم مطلق طور پر انھیں ضعیف نہیں قرار دیا گیا ہے، بلکہ بتخصیص بعض شیوخ انھیں ضعیف کہا گیا ہے۔ جرح وتعدیل کے تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اپنے اس شیخ سے، جس سے یہ حدیث روایت کی ہے یعنی محمد بن سیرین، حدیث سن کر نقل کرنے میں اول درجہ کے محفوظ رکھنے والے ہیں۔ سعید بن عروبہ نے فرمایا ہے: ابن سیرین سے حدیثیں نقل کرنے والوں میں ہشام بن حسام سے بڑھ کر کوئی یاد رکھنے والا نہیں۔)

اس سند کے راوی ہشام بن حسام پر مولانا نانوتوی نے یہ جو لکھا ہے کہ 'وہ مطلق ضعیف نہیں' یہ بات ان کے مقام ومرتبہ کو برقرار رکھنے کے لیے کہی ہے، ورنہ مطلق ضعیف راوی کا صحیح بخاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ کہنے کی ضرورت تھی، اس لیے کہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ صحیح بخاری میں کوئی بھی راوی مطلق ضعیف نہیں۔ دوسری طرف انھوں نے جرح وتعدیل کے امام الائمہ شعبہ بن الحجاج اور اس فن کے دیگر قدیم ائمہ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان، ابوداؤد سجستانی، امام احمد اور یحییٰ بن معین، جنھوں نے ہشام بن حسام پر جرح کی ہے، ان کا نام نہ لے کر 'تکلّم فیه بعض' کہہ کر امام بخاری کی لاج رکھ لی ہے۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ ویل للعرب من شرّ قد اقترب میں امام بخاری نے ایک حدیث اس سند سے بیان کی ہے: **"حدثنا مالک بن اسمٰعیل قال حدثنا ابن عیینة انه سمع الزهری عن عروه عن زینب بنت ام سلمة عن ام حبیبة عن زینب بنت جحش"۔**

اس سند پر مولانا نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

"قوله منقطع فصوابه كما فى صحيح مسلم زينب عن حبيبة عن ام سلمة عن ام حبيبة عن زينب بزيادة حبيبة"۔

(یعنی یہ سند منقطع ہے (جواز قبیل ضعیف ہے) صحیح سند وہ ہے جو صحیح مسلم میں ہے جس میں زینب کے بعد حبیبہ ایک نام ہے جو صحیح بخاری کی سند میں مذکور نہیں، جس کی وجہ سے یہ سند منقطع ہے)۔

مولانا نانوتوی کے تبصرہ میں آخری دو الفاظ قابل توجہ ہیں "**بزيادة حبيبة**" یعنی صحیح مسلم کی سند میں '**حبيبة**' نام زیادہ ہے۔ بہ ظاہر اس سے امام بخاری کا ادب و مقام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۳– قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ایک رفع امانت بھی ہے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ان الفاظ میں آیا ہے:

"ينام الرجل النومة فتقبض الامانة من قلبه فيظل أثرها مثل أثر الوكت ثم ينام النومة فتقبض فيبقى أثرها مثل المجل كجمرد حرجته على رجلك فنفط فتراه منتبراً وليس فيه شئ... الخ"۔ (قرب قیامت ایک آدمی رات کو سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی، اس کا اثر ایک دھبے کے مانند رہ جائے گا، پھر وہ سوئے گا تو امانت مزید نکال لی جائے گی یہاں تک کہ اس کا اثر (ننگے پیر زیادہ چلنے یا ہاتھ سے کام کے نتیجہ میں متاثرہ جگہوں پر) ابھار یا داغ کے مانند رہ جائے گا۔ جیسے پاؤں پر آبلہ پڑ گیا ہو، تم اگرچہ اس کو ابھرا ہوا دیکھو گے مگر اس میں کچھ نہ ہوگا۔)

اس حدیث میں کئی مشکل الفاظ ہیں جنھیں مولانا نانوتوی نے اپنے حاشیہ میں حل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"(اثر الوكت) الوَكْت بفتح الواو وسكون الكاف وبالمثناة، الأثر اليسير وقيل السواد اليسير وقيل اللون المحدب المخالف للون كان قبله،